تبصرہ

نکاح، طلاق اور حلالہ کے مسائل

(معمول بہ فقہ وفقہاء ذی وقار کے علوم کی روشنی میں)

ضمیر احمد مرتضائی

الحمدلله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد المرسلين و على اله و اصحابه و أتباعهم المفقهين فى الدين و الأئمة المجتهدين امابعد!

اللہ جل شانہ نے اپنے نظام تخلیق کو نظام کائنات کے قیام کی مضبوط کڑی اور عروۂ وثقی بنایا جو اللہ تعالیٰ کے علم وحیات کی بین دلیل ہے، شمس وقمر، ارض وسماء اور تاروں وسیاروں کے خوبصورت جھرمٹ اسی طرح مختلف پھل اور پھول عجب عجب موسم کے سماں، یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہیں، اس قدر مبارک قدرت کی رعنائی ایک طرف، دوسری طرف ان اشیاء کی تخلیق کے مقاصد اور حکمتیں دیکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ

''اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے (تم پر احسان فرماتے ہوئے) تمہارے نفع کے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل تمہیں رزق دینے کے لیے نکالے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

''اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو گننا شروع کردو تو شمار نہیں کرسکتے۔''

اسی طرح دیگر آیات بینات میں اللہ تعالیٰ کا ہمیں یہی ارشاد گرامی ملتا ہے جس میں ہمیں اس کے کرشمہ قدرت کا احسان یافتہ اور نعمت پانے والا بتلایا گیا، جب یہ نظام کائنات رب تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل ہے جس کے بارے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

''اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ متعدد خدا ہوتے تو زمین وآسمان تباہ ہوجاتے۔''

تو چاہیے یہ تھا کہ نظام کائنات ہی خدائے احد کی حمد سرائی کے لیے کافی ہوتا لیکن اس کے

باوجود اس ذات اقدس نے اس سارے نظام کو جن وانس کے لیے بطور نعمت رکھ دیا تا کہ واضح ہو جائے اللہ وحدہ لاشریک کے وجود کو تسلیم کرنے والا نظام جس کے لیے ہے وہ کس قدر فرمانبردار ہے اور اس نظام کائنات میں ہر ایک کو اپنی سونپی ہوئی ذمہ داری پوری کرنے والا پائے گا تو اب دیکھا جاتا ہے کہ یہ اپنی ذمہ داری کو کس قدر پورا کرتا ہے۔ شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ نے غالباً اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

باد و مہ و خورشید و فلک درکارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار — شرط انصاف نباشہ کہ تو فرمان نبری

(گلستان سعدی)

پھر انسان اور جنات کی ذمہ داری ہے کیا؟ اللہ رب العزت نے سورہ الذریات میں ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ''اور میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا فرمایا۔''

جب انسان جنات سے بھی بڑھ کر اشرف المخلوقات قوم ہے پھر کائنات میں نظام تخلیق کے بارے ہر ایک کے لیے عمومی ارشاد فرمایا:

خلق کل شی من مآء ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پانی سے پیدا فرمایا۔''

نکاح:

لیکن خصوصیت کے ساتھ ذکر تخلیق کے مراحل انسان ہی کے بیان فرمائے ہیں اور ہر امر بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نظامِ کائنات میں نفاذِ اسلام کے بغیر ناممکن ہے، آزادانہ عبادت، حریت فکر اور راہِ حق کی نشاندہی اسلامی احکامات کے بغیر انتہائی مشکل ہے۔ عدل وانصاف کی بالادستی اور ظلم وجور کی پستی علم اسلام کو بلند کیے بغیر دشوار ہے۔ ''معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اسلامی قانون کا نفاذ کر کے ''صراط مستقیم'' پر چل کر عبادت کرنا ہے۔''

اب انسان کے لیے اس صراط مستقیم کو پانا اس وقت ممکن ہوگا اگر اس کے رگ وپے میں حرکت خون کی پرورش دستورِ خداوندی کے مطابق ہو جسے ہم ''نکاح'' سے تعبیر کرتے ہیں پھر یہ پرورش جس قدر تقویٰ وطہارت پر ہوگی اسی قدر کرشمہ قدرت کا حسن بڑھتا جائے گا۔ رزق حلال کا اس قدر خیال ہو کہ دریا میں بہتے ہوئے سیب کے ایک دانہ کو کچھ کھا لینے کے بعد گردشِ خون ملامت کا بازار گرم کر دے خواہ اس کی پاداش میں کئی سال تک ملازمت میں ہی گزارنے پڑیں اور شرم وحیاء اس قدر کہ آنکھ نے کسی غیر محرم کو دیکھا نہ ہو، پاؤں گھر کی دہلیز سے باہر نہ گئے ہوں اور آواز کو کسی غیر نے سنا نہ ہو تو ایسے حضرات کو عظیم والدین کہتے ہیں جن کے پاک خون سے روحانی دنیا میں صراط مستقیم پر چلانے والے حضور محبوب

سبحانی غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوتے ہیں۔

سو انسان رب قدوس کی قدرت کا کرشمہ اکبر ہے اسی واسطے ارشاد فرمایا:

ان الله خلق آدم على صورته (مشكوة شريف)

''بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔''

اسی حکمت کے پیش نظر قرآن کریم میں نظامِ کائنات کے ساتھ نظامِ تخلیق کا بیان فرمایا:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

''اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا پیدا فرمایا تا کہ تم نصیحت پاؤ۔''

اس سارے معاملہ کا مقصد اس سے اگلی آیت میں فرمایا:

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

''سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو۔''

اس نقشِ قدرت کو رب کریم نکاح کے ذریعے جوڑے سے پیدا ضرور فرماتا ہے لیکن اس کا مقصد حیات رجوع الی اللہ اور صراط مستقیم پر رہتے ہوئے عبادت الٰہی کرنا ہے۔ سو معلوم ہوا کہ مسلمان مقصد حیات کو سمجھنے والا ہوتا ہے اور ذریعۂ مقصد کو وسیلہ کی سی حیثیت دیتا ہے۔ مطلوب و مراد اسے ہی نہیں ٹھہرا لیتا۔ نکاح ایک امر شرعی ہے جس کے تحقق کے لیے ایجاب و قبول اور گواہوں کا مجلس میں حاضر ہونا ہوتا ہے۔ پھر اس امر مسنون کو مرد مسلم حق مہر کی ادائیگی کر کے عورت پر تمتع کی تملیک رکھ لیتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کافر بھی اپنے مذہب کے مطابق نکاح کرتا ہے اور مسلمان بھی اپنے مذہب کے مطابق نکاح کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم مسلمان اس کافر کے نکاح کو درست ٹھہراتے ہیں کہ اگر وہ کل کو مسلمان ہو جائے یا اپنے مذہب پر ہی رہے تو ہم اسے ولد الزنا نہیں کہہ سکتے؟ تو اس کا واضح جواب یہی ہے کہ نکاح کی حقیقت چونکہ ایجاب و قبول ہے جو شہرت سے پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اس واسطے ہم نکاح من حیث النکاح کو تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب میں حاصل ہو جائے۔ سو اس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح رجوع الی اللہ نہیں بلکہ یہ رجوع الی اللہ کا ذریعہ ہے وہ بھی اس اعتبار سے کہ نکاح کرنے والا مسلمان ہو اور بیشک کامل مسلمان خواہش نفسانی کی خاطر نکاح نہیں کرتا اس کا مقصد امر مسنون کی ادائیگی ہوتا ہے جس سے نقش قدرت کا حصول اس کے دل میں، انگڑائیاں لیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اشارہ فرمایا:

''تم زیادہ نکاح کرو میں قیامت کے روز تمہاری وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔'' او کما قال علیه السلام

محض خواہش پرستوں کی کثرت تو حضور مراد بھی نہیں لے سکتے کہ جس کی وجہ سے سابقہ امتوں کے عبادت گزاروں پر فخر کیا جا سکے۔

لہٰذا ان حقائق کے پیش نظر نکاح کی حقیقت اور مقصد ہمارے سامنے آ گیا کہ توالد و تناسل کا حصول ہی مقصد نہیں بلکہ رجوع الی اللہ مقصد ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک اپنی ذاتی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی اسلامی اصولوں پر تربیت بھی کریں تا کہ نفاذِ اسلام کے مجاہدین میں اضافہ ہو اور ہر طرف دینِ اسلام کی ہی ضیاء پاشی ہو۔

طلاق:

جب تک معاملہ شرعی اصول وضوابط پر رہے گا کسی قسم کی خرابی جنم نہیں لے سکتی لیکن اگر زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کے حقوق پورا کرنے کے قابل نہ رہے اور بدگوئی گھر کے در و دیوار کو چھونے لگے تو اس بندھن کو احسن طریقے سے کھولنے کو ''طلاق'' کہتے ہیں۔ باوجود کہ یہ ایک جائز اور مباح کام ہے لیکن مقصدِ حیات میں خلل کی وجہ سے ''یہ امر مباح عنداللہ مبغوض ہے۔'' (ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراھیۃ الطلاق ۱/۳۰۳ مکتبہ حقانیہ ملتان)

یہ بات ضرور مسلم ہے کہ طلاق غصہ اور غضب میں ہی ہوتی ہے لیکن جو حقیقت آپ کے سامنے پیش کی گئی اسے پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کی آیہ مبارکہ کا مفہوم سمجھیں۔ ارشاد خداوندی ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ..... الآیۃ

''طلاق دو بار دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو مگر جب دونوں فریقوں کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں سو تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

اس آیہ کریمہ میں ایک واضح بات ہمارے سامنے یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو جب قائم نہ رکھ سکیں تو طلاق دے دی جائے گی۔ اقتضاء النص سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نکاح میں حدود اللہ قائم رکھی جاتی ہیں اگر حدود اللہ کا قیام نکاح میں نہ ہوتا تو توڑنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ لہٰذا اسلام میں تصورِ نکاح ہمارے سامنے آ گیا کہ اس میں حدود اللہ کا قیام ہوتا ہے نفس پرستی اور خواہش پرستی تو حدود اللہ نہیں، مقصدِ حیات رجوع الی اللہ بھی تو حدود اللہ کے قیام میں ہی ممکن ہو سکتا ہے اور یہ بات بھی مخفی نہیں کہ نکاح ہو جانا ایک فریضہ کی سرانجامی ضرور ہے لیکن نکاح سے دو فریقوں کے درمیان ایک تعلق استوار ہو جاتا ہے

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا (الفرقان: ۵۴) ''اور ہم نے انسان کے نسب وسسرال بنائے۔''

اب طلاق دے کر اس گرہ کو کھولنا اور وثاق القید عقد کو توڑنا یقیناً باعث فتنہ ہوسکتا ہے۔ سو ضروری ہوا کہ طلاق کا معاملہ نکاح کے معاملہ سے مختلف ہو، نکاح کے ذریعے گرہ کی بندش ایک ہی بار ہو جائے اور اس بندھن کو توڑنے کے لیے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اسی حکمت کے پیش نظر ارشاد خداوندی ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (البقرہ ۲: ۲۲۹)

''طلاق دو مرتبہ ہے اور دو مرتبہ طلاق کے بعد اچھے طریقے سے روکنا ہے یا چھوڑنا ہے۔''

پھر اس سے اگلی آیت میں فرمایا: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ ۲: ۲۳۰)

اگر اس نے تیسری طلاق دے دی تو اس کے لیے یہ عورت حلال نہیں حتی کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔

اس آیہ کریمہ میں صراحتہ دو مرتبہ طلاق کے بعد تیسری طلاق کا فرمایا گیا جس کا مفاد یہ سامنے آیا کہ غصہ میں نکاح کو ختم کرنے کیلئے تین مواقع شریعت میں فراہم کیے گئے ہیں۔ اب ان تین مواقع فراہم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص حدود اللہ سے تجاوز کرے تو خوب سمجھ کر لے کہ معاملہ کہاں تک جا پہنچے گا اور دنیا و آخرت میں اس کی زندگی باعث عذاب بن جائے گی۔

جب یہ تین مواقع مہیا ہو گئے تو اس میں خاوند کو علی الاطلاق اختیار ہے چاہے تو دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے بغیر مقاربت کے طہر میں ایک طلاق دے اور عدت گزرنے پر بائن ہونے دے جسے طلاق احسن کہتے ہیں یا مقاربت کے بغیر ہر طہر میں ایک طلاق دے جسے طلاق حسن کہتے ہیں، تو یہ جائز ہوگا اور اگر اس اختیار کو دائرۂ شریعت سے ہٹ کر بیک وقت تین طلاقیں دیں یا عورت کی ماہواری میں طلاق دی یا مقاربت کے ایام میں طلاق دی جسے طلاق بدعت کہتے ہیں، تو اس کا اختیار کو استعمال میں لانا موثر تو ہو جائے گا لیکن اس کا گناہ اسے ضرور ہوگا۔ اسی بات کی طرف واضح طور پر احادیث مبارکہ میں حکم بیان ہوا: عن عبداللہ قال طلاق السنة ان يطلقها فی كل طهر تطليقة

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ طلاقِ سنت یہ ہے کہ مرد عورت کو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔

چنانچہ امام ابن شیبہ جو آج سے تقریباً بارہ سو سال پہلے تشریف لائے آپ اپنی حدیث شریف

کی کتاب میں اپنی سند سے روایت نقل فرماتے ہیں: ''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص طلاق دینے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ ایک طلاق دے پھر چھوڑ دے تاکہ اس کی بیوی تین ماہواریاں گزار لے۔''

اسی طرح باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا: ''اگر لوگ طلاق دینے کی نوبت تک پہنچ جائیں تو کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق دے پھر تین ماہواریاں گزارنے تک چھوڑ دے تو وہ اپنی طلاق پر شرمندہ نہیں ہوگا۔''

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الطلاق، باب مایستحب من طلاق السنۃ کیف ھو ۴/۵ دار الفکر بیروت طبعہ اولیٰ ۱۴۱۳ھ)

یہ طلاق احسن کے حوالے سے احادیث تھیں۔ طلاق حسن کے حوالے سے حدیث ملاحظہ ہو۔

امام ابوعبدالرحمٰن احمد ابن شعیب نسائی جن کا وصال آج سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے ہوا آپ نسائی شریف میں اپنی سند کے ساتھ روایت نقل فرماتے ہیں:

عن عبداللہ انہ قال طلاق السنۃ تطلیقۃ وھی طاھر فی غیر جماع فاذا حاضت وطھرت طلقھا اخری فاذا حاضت وھی طھرت طلقھا اخری ثم تعتد بعد ذلک بحیضۃ.

''حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ طلاق سنت عورت کو بغیر جماع کے طہر میں ایک طلاق دینا ہے۔ پھر جب ایک ماہواری گزر جائے اور پاک ہو جائے تو دوسری طلاق دے پھر جب ماہواری آئے اور پاک ہو جائے تو ایک اور یعنی تیسری طلاق دے پھر اس کے بعد ایک حیض کے ساتھ عدت گزارے گی۔''

(سنن نسائی، کتاب الطلاق، باب طلاق السنۃ، ۲/۹۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی)

طلاق بدعت گناہ ضرور ہے لیکن تین کے واقع ہونے کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ امام مسلم ابن حجاج قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی سند کے ساتھ روایت نقل فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی کو ماہواری میں طلاق دی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے دریافت کیا تو آپ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑے رکھیں یہاں تک کہ ایک حیض گزر جائے پھر اسے چھوڑے رکھے حتیٰ کہ حالت طہر آ جائے پھر اسے مقاربت سے پہلے طلاق دیں اور یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے پھر جب حضرت

عبداللہ ابن عمر سے یہ سوال کیا جاتا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی ہے تو وہ فرماتے اگر تو نے ایک طلاق دی ہے یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے پھر اس کو مہلت دو حتی کہ اس کا ایک اور حیض گزر جائے اور وہ اس حیض سے پاک ہو جائے پھر اس کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دو اور اگر تم نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا جس طریقہ سے حکم دیا ہے تو نے اس کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی تجھ سے جدا اور بائینہ ہوگئی۔'' (مسلم شریف، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا..... الخ ۱/۴۷۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث مبارک سے چند باتیں معلوم ہوتیں ہیں:

۱۔ حالت حیض میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اگر چہ یہ گناہ ہے۔

۲۔ حالت حیض میں دی گئی طلاق سے رجوع کرنا مستحب ہے۔

۳۔ تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں تو وہ واقع ہو جاتیں ہیں، اگر چہ یہ نافرمانی ہے۔

۴۔ ایک یا دو طلاقیں رجعی ہوں تو اس کے بعد عدت میں رجوع ہو سکتا ہے۔

(لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ حاشیۃ الترمذی ۲/۲۲۲، حاشیہ نمبر ۶ مطبوعہ مکتبہ علوم السلامیہ تاج میر خاں روڈ بلوچستان)

حالت حیض میں طلاق دینا گناہ ہے اسی طرح تین طلاقوں کو بیک وقت دینا گناہ ہے۔

چنانچہ امام عبدالرحمٰن نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت نقل فرماتے ہیں:

''حضرت محمود ابن لبید بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دی ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حالت غضب میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا: ''میرے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کھیل بنایا جا رہا ہے؟'' حتی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسے قتل کر دوں۔''

(سنن نسائی، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلث المجموعۃ ومافیہ من التغلیظ ۲/۹۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو اس روایت میں بھی کتاب اللہ کو کھیل بنانے کا فرمانا، اس عمل کے گناہ ہونے اور اپنے اختیارات کو غلط استعمال کرنے پر زجر و توبیخ ہے اگر اس طلاق کا وقوع نہ ہوتا تو کھیل بنانے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا اور اس قدر غضب صرف ایک لفظی معاملہ پر ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک معنوی اعتبار سے اس کا وقوع نہ ہو۔ اور اصول حدیث میں یہ بات مصرح ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرے تو

وہ وضاحت دیگر آراء سے مضبوط ہوتی ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی ''حدیث مسلم'' سے اس حدیث کی وضاحت ہوگئی کہ گناہ ایک الگ امر ہے البتہ طلاق کا وقوع ضرور ہو جائے گا۔

سو طلاق کی مشروعیت صرف عالم مجبوری میں ہوگی حتیٰ المقدور یہی کوشش ہوگی کہ ان کے ساتھ احسن طریقے سے معاشرت گزرتی رہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النساء: ۱۹)

''اور تم اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کے ساتھ رہو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند سمجھو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔''

نکاح کے باگ مرد کے ہاتھ میں تھمانے کی کئی ایک حکمتیں محدثین نے بیان فرمائی ہیں۔ محقق عصر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں:

۱۔ عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے۔

۲۔ عورت کی قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے۔

۳۔ عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں۔

۴۔ جسمانی قوت کے پیش نظر خرچہ کی ذمہ داری عمومی طور پر مردوں پہ ہے۔

نکاح میں عورت کی مرضی ہوتی ہے طلاق میں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح نام ہے ایجاب اور قبول کا اور جب ایجاب وقبول ہو جائے تو عقود میں جس کے پاس مبیع اور سامان ہو تو عقد کو توڑنے اور سامان کو واپس کرنے کے لیے اعتبار اور اختیار مبیع کے مالک ہوتا ہے تو نکاح میں ملک بضعہ کو حق مہر کے بدلے میں حاصل کیا جاتا ہے۔ تو اس میں بھی عقد کو توڑنے اور ملک کو چھوڑنے کے لیے خاوند کا اختیار ضروری ہوگا۔ (شرح صحیح مسلم، بتصرف کتاب الطلاق ۳/ ۱۰۰۵،۱۰۰۶ فرید بک سٹال لاہور)

اسی حکمت کی طرف قرآن وحدیث میں اشارہ ہے:

اویعنوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح (البقرہ: ۲۳۷)

''یا جس (مرد) کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے۔''

والطلاق لمن اخذ الساق

یعنی ''طلاق کا مالک وہ ہے جو خرچہ برداشت کرتا ہے۔'' (الدر المنثور ۱/ ۲۹۲، مکتبۃ ایۃ اللہ العظمی، ایران)

یہی وجہ ہے کہ خلع لینے میں عورت مال دیتی ہے اور مرد خلع کرتا ہے۔ اگر طلاق دینے کا اختیار

عورت کو ہوتا تو قرآن مجید میں فلا جناح علیھا افتدت بہ ''تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' کا حکم وارد نہ ہوتا۔

اور طلاق بالمال اور خلع طلاق بائن ہونے میں یکساں ہیں جبکہ خلع کنایہ کے قبیل سے ہے اور طلاق بالمال صریح کے قبیل سے ہے اور طلاق بالمال میں جب عوض باطل ہو جائے تو طلاق رجعی ہوگی بخلاف خلع کہ اس میں بائن ہی رہے گی۔

(فتاوی شامی کتاب الطلاق، مطلب الصریح یلحق الصریح والبائن: ۴/۵۳۰، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل واما الطلاق علی مال......الخ ۳/۲۳۹ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

حلالہ:

اگر مرد کا اپنی بیوی سے گزر بسر مشکل ہو گیا اور اس نے کسی طرح سے بھی تین طلاقیں دے دی تو وہ عورت بائنہ مغلظہ ہو جائے گی جیسا کہ گذشتہ احادیث میں اس بارے صراحت آچکی ہے۔ اب اس عورت کے بارے حکم شرعی یہ ہے کہ وہ پہلے خاوند کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے وہ اپنی مرضی سے بلاشرط وقید دخول کے بعد طلاق دے دے تو اس عورت کے لیے عدت گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ حکم قرآن وحدیث میں آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ: ۲۳۰)

''پھر اگر اس نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی تو اس خاوند کے لیے یہ عورت حلال نہیں حتی کہ وہ عورت اس کے علاوہ خاوند سے نکاح کرے۔''

امام بخاری علیہ الرحمہ اہل علم کا قول نقل فرمانے کے بعد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیہ کریمہ کی تفسیر نقل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ آپ سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا اگر تو ایک مرتبہ طلاق دے یا دو مرتبہ طلاق دے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس (رجعت) کا حکم دیا ہے پھر اگر اس نے تیسری طلاق دے دی تو وہ عورت تجھ پر حرام ہو جائے گی حتی کہ وہ عورت اس کے علاوہ خاوند سے نکاح کرے۔ (بخاری شریف، کتاب الطلاق، باب من قال لامرأتہ انت علی حرام: ۲/۷۹۲ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت رفاعہ قرظی والی مشہور حدیث بیان فرمائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور آپ کی بیوی نے ان کے علاوہ اور (عبدالرحمٰن ابن زبیر) سے نکاح کرلیا، بار بار وہ عورت حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جناب عبدالرحمٰن کی

کیفیت کو مثل ھد بہ کہہ کر بیان کرتی رہیں اور پہلے خاوند کی طرف لوٹنے کی درخواست کرتی تھیں چونکہ طلاقیں تین واقع ہوگئی تھیں جب آپ سے پوچھا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لاحتی یذوق عسیلتھا کما ذاق الاول

''ہرگز نہیں حتی کہ وہ عورت اس دوسرے خاوند کا شہد چکھے جس طرح پہلے خاوند کا چکھا۔''

(بخاری شریف، کتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث ۲/۹۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی)

قرآن مجید کی آیہ مبارکہ اس کی تفسیر بالاثر اور مشہور حدیث سے واضح ہوگیا کہ حلالہ کو بے حیائی کا نام دینے والے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمان اور قرآن کے منکر ہیں۔

حلالہ کون سا برا ہے؟

شریعت میں حلالہ کی حقیقت سامنے آگئی کہ یہ لفظ ''حلال'' سے نکلا ہے اور حلال مصدر ہے جس سے قرآن مجید میں ''فلا تحل لہ'' اور حدیث شریف میں ''لا تحلین'' ایسے الفاظ وارد ہوتے ہیں۔ سو حلالہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے نکلا، البتہ اگر قیود اور شرطیں لگا کر حلالہ کروایا جائے کہ نکاح کے بعد طلاق دینا ضروری امر ہوگا تو یہ شرط لگانے کی وجہ سے حلالہ کرنے والے اور کروانے والا لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔

(ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی المحل والمحلل لہ، ۱/۲۱۳ مکتبہ علوم اسلامیہ تاج میر خان چمن بلوچستان)

اور اگر جائز حلالہ بغیر قیود وشرائط کے ہو اور اس کے وقوع کے بغیر پہلے خاوند کے پاس عورت گئی تو وہ لعنت کی زیادہ مستحق ہوگی۔

''فقہ اسلامی'' کی طرف سے ایک ڈاکٹر خضر یٰسین نامی شخص کا مضمون شائع ہونے سے قبل تبصرہ کے لئے سامنے آیا جو کہ نکاح، طلاق اور حلالہ کے بارے میں، عجیب وغریب حکمتوں اور بے تکے تکرار اور چند بچگانہ سوالات سے لبریز مسودہ تھا۔ جس سے پتا چلتا تھا کہ جناب خضر صاحب نے اپنے سوالات کے حل کے لیے قرآن کا ترجمہ تک بھی نہیں دیکھا اس قدر غفلت کے باوجود جناب کی علم فقہ پر اور سلف صالحین وصحابہ کرام کو تنقید کا نشانہ بنانے میں نہ جانے در پردہ خود کے بارے میں کس قسم کا دعویٰ ہے' یاد رہے کہ اختلاف رائے بے ادبی کا نام نہیں۔ شریعت میں علمی اختلاف کے کچھ اصول وضوابط ہیں جنہیں علم فقہ میں سکھلایا جاتا ہے۔ مشہور عربی مقولہ الناس اعداء لما جھلوا (لوگ اس کے دشمن ہوتے ہیں جس سے وہ جاہل ہوتے ہیں) غالباً ایسے مواقع کے لیے ہی استعمال کیا گیا ہے۔

اب بندہ ڈاکٹر خضر صاحب کے مضمون سے قابل اعتراض عبارات کو نقل کرتا ہے تاکہ واقع

ہونے والے سوالات کا جواب بعون اللہ الوہاب دیا جا سکے۔

طلاق کے باب میں قدامت پرست فقہی ذہن خود کو دانستہ بے خبر رکھنا چاہتا ہے اور اپنی دانستہ جہالت کے کفارہ کی صلیب پر عامۃ الناس کو کھینچنا چاہتا ہے۔قدیم نظام تعلیم سے فارغ التحصیل تمام فقہی مسالک و مشارب سے تعلق رکھنے والے نام نہاد علمائے کرام خوب واقف ہیں کہ طلاق رفع القید ہے، عقد نکاح ختم کرتی ہے، بایں ہمہ دوسری طلاق کے منعقد ہونے سے قبل نکاح کی بحالی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔تمام فقہی مسالک و مشارب بلا استثناء ایک طلاق کے بعد نکاح بحال کیے بغیر دوسری طلاق منعقد سمجھتے ہیں، ایک مسلک و مشرب ایک مجلس میں تین طلاق کے منعقد ہونے کا حکم دیتا ہے، دوسرا ایک مجلس میں تین طلاق کے منعقد ہونے کی نفی کرتا ہے، دوسری طلاق کے لیے دوسری مجلس ضروری سمجھتا ہے اور تیسری طلاق کے لیے تیسری مجلس ضروری سمجھتا ہے۔دونوں مسالک و مشارب ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق کے انعقاد سے پہلے نکاح کی بحالی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔حیرت ہے کہ طلاق سے نکاح ختم ہوتا ہے اور یہ کام ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے تو پھر دوسری طلاق آخر کس پر وارد ہوگی؟ طلاق کا محل نکاح ہے اور وہ ایک طلاق کے بعد ختم ہو گیا ہے، دوسری طلاق دوسری بار نکاح ختم کرتی ہے اور تیسری طلاق تیسری بار نکاح ختم کرتی ہے۔دوسری اور تیسری طلاق کے انعقاد کا واحد راستہ دوسری بار اور تیسری بار نکاح کی بحالی ہے۔

طلاق کو نکاح کا خاتمہ نا سمجھنا اور ایک طلاق کے بعد دوران عدت نکاح بحال کیے بغیر اور بعد از عدت تجدید نکاح کیے بغیر دوسری طلاق کا وقوع ہی وہ غلط تصور ہے جس نے ''حلالہ'' کی احتیاج کو لازم کیا ہے۔

جواب:

اس عبارت میں ایک سوال ہے کہ طلاق نام ہے رفع القید کا اور قید جب اٹھ جائے تو دوسری طلاق دینے سے پہلے قید کا ہونا ضروری ہے تا کہ طلاق کے ذریعے قید اٹھ سکے اور طلاق دینے کے لیے اس قید (نکاح) کو بحال کرنے کا کوئی مفہوم ہی نہیں کہ نکاح کو طلاق دینے کے لیے بحال نہیں کیا جاتا زندگی کی راہیں ہموار کرنے کے لیے کیا جاتا ہے؟

دوسرا نکاح کے بعد جب ایک طلاق ہوگئی تو دورانِ عدت دوسری اور تیسری طلاق کیوں واقع ہوتی ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ معمول بہ فقہ درحقیقت تین طلاقوں کو ہی طلاق شمار کرتی ہے؟

تیسرا طلاق کے بعد دورانِ عدت رجوع کیوں کیا جاتا ہے حالانکہ ملاپ تو بغیر نکاح کے نہیں ہوتا؟

ڈاکٹر صاحب کے پورے مضمون میں طلاق سے متعلق یہ سوالات ہیں۔ سوالات چونکہ بکھرے پڑے تھے ہم نے پوری دیانت داری سے ان بے ربط سوالات کو ایک ترتیب میں ذکر کر دیا ہے تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی رہے۔ مضمون کے آخر میں ''حلالہ'' کے حوالہ سے بھی ڈاکٹر صاحب کچھ غلطی کا شکار ہوئے جس کا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ آجاتا ہے۔ اولاً اس امر پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے کہ ڈاکٹر خضر یٰسین کے نزدیک مسلمات امور کون سے ہیں؟

ہم نے اس بندۂ خدا کے مضمون میں ایک عبارت یوں لکھی ہوئی پائی ''دینی فضائل کی ماہیت اس سے بہت بلند ہے کہ ان کے جواز کی سند ''وحی خداوندی'' سے باہر تلاش کی جائے۔ عقد نکاح دینی فضیلت ہے۔'' اس سے کچھ آگے لکھتے ہیں ''تو انسانی فطرت کی نسبت انسان کا ذاتی ادراک اور علم بالوحی ایک درجے اور مرتبے پر کیونکر آسکتے ہیں؟''

اس عبارت سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ''علم بالوحی انسان کے ذاتی ادراک سے بلند تر ہے اور عقد نکاح جیسی دینی فضیلت کے جواز کی سند علم بالوحی سے تلاش کرنی چاہیے انسان کے ذاتی ادراک سے نہیں۔ ہم گول مول بات کے قائل نہیں بات کو کھل کر اور کلیئر کرنے کے حق میں ہیں اور آپ سے بھی آئندہ اسی کی امید رکھتے ہیں۔

آپ کی انسان کے ذاتی ادراک سے مراد یہاں کیا ہے؟

اگر محض عقل وقیاس ہے جو قرآن وسنت سے ٹکرار ہیں ہوں تو وہ قیاس بیشک مردود ہے چنانچہ اصول فقہ معتبر کتاب ''حسامی'' میں امام حسام الدین شرائط قیاس ذکر فرماتے ہیں:

الشرط الاول، ان لایکون الاصل مخصوصاً بحکمه بنص اخر

(اصل ومقیس علیہ کسی دوسری نص کی وجہ سے اپنی حکم کے ساتھ خاص نہ ہو)

الشرط الثانی، ان لایکون حکم الاصل معدو لابه عن القیاس

(اصل ومقیس علیہ قیاس وعقل سے ہٹا ہوا نہ ہو)

الشرط الثالث، ان یتعدی الحکم الشرعی الثابت بالنص بعینه الی فرع هو نظیره ولانص فیه

(اصل سے فرع کی طرف متعدی ہونے والا حکم شرعی جو نص سے ثابت ہو وہ بعینہ فرع کی طرف متعدی ہو اور وہ فرع اصل کی نظیر ہو اور فرع منصوص علیہ نہ ہو)۔

الشرط الرابع: ان یبقی حکم الاصل بعد التعلیل علی ما کان قبله

(اصل ومقیس علیہ کا حکم تعلیل کے بعد اسی طرح باقی رہے جس طرح پہلے تھا۔)

(حسامی مع الھنانی ۴/۴ تا ۱۲ مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور)

اس کی مزید وضاحت اصول فقہ کی دیگر کتب الرسالہ، المحصول فی علم الاصول، التوضیح والتلویح، کشف الاسرار علی البزدوی، بحر العلوم علی مسلم الثبوت وغیرہ سے دیکھی جاسکتی ہیں بشرطیکہ ان کی عبارت بھی پڑھنی آتی ہوں۔ ان شرائط قیاس سے واضح ہوگیا کہ قرآن وحدیث کے حکم کو نو پید مسئلہ میں منتقل کرنے کے لیے ان شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے پھر مقیس، مقیس علیہ، علت مشترکہ اور حکم ایسے ارکانِ قیاس کا وجود ہوگا۔ اور اگر آپ کی اس عبارت سے مراد مطلقاً عقل وقیاس کا رد ہے خواہ موافق شریعت ہو یا مخالف کسی صورت میں اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اگر تو آپ کا یہی بیان کرنا مقصود ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ قرآن حکیم وعدہ وعید پر مبنی واقعات وقصص بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

(اے بصارت والو عبرت پکڑو)

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ

(البتہ تحقیق اُن کے واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے)

آپ کو اگر کبھی اتفاق ہو تو لفظ ''اعتبار'' کا معنی دیکھیے اعتبار کا معنی آتا ہے ''کسی شی کو اس کی نظیر کی طرف پھیرنا۔ یعنی ارشاد خداوندی کے مطابق قوم عاد وثمود اور دیگر اقوام کفار کے ہلاکت کے اسباب جاننے کے بعد اب ان واقعات سے اپنے انکار اور بے فرمانی کے باعث ایسے ہی عذاب کے لیے اے کفار تیار رہو اور نجات پانے والے مؤمنین کی طرح ایمان لے آؤ۔

تو اب ایسی آیات کے بارے کیا کہا جائے گا جس میں غور وفکر نصوص الٰہیہ میں کرنے کے بعد اپنی ذات پر نصوص الٰہیہ کے حکم کو اپنے ذاتی ادراک سے لگانا ہوتا ہے۔

افلایتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا

(کیا وہ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے ہیں)

اب خود قرآن علم بالوحی کے ہونے کے باوجود انسان کے ذاتی ادراک کو دعوت دے رہے اور ادراک نہ کرنے والوں کی مذمت بیان فرما رہا ہے کہ ان کے قلوب مقفل شدہ ہیں۔ اور عقل کی بحث میں یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہاں دل سے مراد صنوبری شکل کا ٹکڑا نہیں بلکہ اس دھڑکتے دل میں جاگزیں ایک قوت ہے جس کا دماغ کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے کذافی الفتوحات المکیہ. خیر اس بات کے بطلان پر قرآن مجید کی یہ آیات بینات بطور حجت کھڑی ہیں جن کا رد مسلمان کے لیے ممتنع اور محال ہے۔ مضمون کے آخر میں تفقہ فی الدین اور تفقہ فی المذھب کا فرق کیا انسان کا ذاتی ادراک ہے یا منزل من

اللہ وحی شدہ قرآن مجید کی آیہ کریمہ کا ترجمہ ہے؟

ہم تو چلے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے مسلمات کو تلاش کرنے لیکن پہلا مسلم امور کہ ''علم بالوحی کے مقابلہ میں انسان کا ذاتی ادراک کوئی حیثیت نہیں رکھتا'' یہی متضاد نکلا۔

لیکن خیر ہم کچھ یوں سہارا دیتے ہیں کہ حقیقت یہی ہے کہ علم بالوحی کے مقابلہ میں انسان کے ذاتی ادراک کی کوئی حیثیت نہیں البتہ اگر یہ قوتِ عقل جو اس نے دیگر حیوانات کو عطا نہیں فرمائی انسان اور جنات کو عطا فرمائی ہے اسی واسطے انہیں کو شریعت کا مکلف ٹھہرایا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر بلوغت اور عقل دونوں ہوں تو شریعت کے امور کی ادائیگی ''اداء کامل'' ٹھہرتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کم ہو تو اداء قاصر ٹھہرتی ہے۔ اصل اعتبار چونکہ عقل کا ہے اور جب بندہ بالغ ہوتا ہے تو عقل کا صحیح لحاظ اس وقت قابل تسلیم ہوتا ہے اور اگر وہ بالغ شخص مجنون یا معتوہ یا مغمی علیہ شخص ہو تو قلم شریعت اس سے اٹھ جاتی ہے اور وہ احکام شریعت کا مکلف نہیں رہتا۔ اگر عقل کا اصلاً اعتبار نہیں تو عبادت تو ہر شی اللہ تعالیٰ کی انسانوں کے علاوہ کرتی ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (سورۃ الاسراء: ۴۴)

''ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔''

تو پھر انسانوں کو پیدا کرنے کا مطلب کیا ہوا سو معلوم ہوا انسان کے ذاتی ادراک شرعی اصولوں کے مطابق ہونے چاہئیں اور جو ان شرعی اصولوں سے واقف نہیں یا واقفیت تو کچھ رکھتا ہے لیکن اس میں درک و صلاحیت حاصل نہیں تو اسے شرعی اصولوں سے واقف باصلاحیت اور صاحب درک حضرات کی پیروی کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

واطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

''تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے میں سے حکم والوں کی اطاعت کرو۔''

چونکہ یہاں رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت دینی معاملہ میں اطاعت کا اشارہ دے رہی ہے۔ اس واسطے یہاں مراد دینی لحاظ سے حکم شریعت کو چلانے والے حکمران ہوں یا وراثت انبیاء کو پانے والے علماء کرام وفقہاء عظام ہوں۔ آخر انسان و جن کی تخلیق کا مقصد بھی سمجھئے۔ ہمیں اب تک ان قرآن مجید کی آیات مبارکہ کے مطابق یہ سمجھ آ گیا کہ دین کی لم اور علت کو سمجھنا ہی درحقیقت فقاہت دین ہے۔ جس کو آپ اور ہم سے زیادہ صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین جانتے تھے۔

اگر یہ غلط ہوتا تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام جو صاحب الوحی ہیں اور **وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی** ''اور وہ (محبوب) اپنی خواہش سے بولتا ہی نہیں وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جائے'' کی شان والے ان کے حق میں یہ ارشاد نہ فرماتے:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم

''بہترین قرن وزمانہ میرا ہے پھر وہ جو ان سے ملا ہوا ہے۔''

اب دو ہی باتیں ہیں یا تو ان کا قرآن وحدیث سے استنباط اور قیاس مانا جائے گا یا ان کے غیر کا اگر ان کے غیر کا مانا جائے اور ان کا نہ مانا جائے تو وہ ان سے بہترین ہوگئے اور یہ خلاف حدیث ہوگا اور اگر ان کا مانا جائے تو آپ کا اعتراض ان پر آتا ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے استنباط وقیاس تو ان کا پایا جاتا ہے، تو بہتر ہوگا کہ دین اسلام میں قرنِ اول کے حضرات القدس کے استنباط وقیاس کو ترک کرنے کی بجائے چودہ سو سال بعد ہونے والی آپ کی بابرکت ہستی کے اعتراض کو رفع کر دیا جائے کیونکہ آپ کے بارے اور اسی طرح ہمارے اس سارے زمانے کے بارے کوئی خصوصیت کے ساتھ فضیلت پر حدیث مبارک وارد نہیں ہوتی۔

چلو یہ تو ثابت شدہ امر معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب علم بالوحی کو مانتے ہیں۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس میں صرف قرآن کو مانتے ہیں یا حدیث رسول کو بھی مانتے ہیں۔ امید تو ہے کہ آپ حدیث رسول کو ضرور مانتے ہوں گے، مسند احمد ابن حنبل کے حوالہ سے حضرت معاذ ابن جبل کی مشہور روایت بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی ہوگی جب انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: **بم تقضی یا معاذ** ''اے معاذ! فیصلے کیسے کرو گے۔'' انہوں نے عرض کی: **بکتاب الله تعالیٰ** ''اللہ تعالیٰ کی کتاب سے''۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: **فان لم تجد** ''اگر تم نہ پاؤ تو؟'' عرض کی: **بسنة رسول الله** ''حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت سے''۔ آپ نے ارشاد فرمایا **فان لم تجد** ''اگر تم نہ پاؤ'' **اجتهد برأیی** ''اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا''۔ **فصوبه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال الحمدلله الذی وفق رسول رسول الله علی مایحب ویرضاه** ''اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے درست وصواب فرمایا پھر ارشاد فرمایا سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو لائق ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جسے وہ پسند کرتا ہے اور وہ راضی ہے۔'' (مسند احمد ابن حنبل)

اب اس حدیث میں صراحۃً صحابی رسول کا حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور صاحب الوحی کے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسول سے مسئلہ نہ ملنے پر اپنے ذاتی ادراک اور اجتہاد کا ذکر فرمایا تو حضور علیہ

الصلاۃ والسلام اس بات سے خوش ہو کر دعا دینا شروع ہو گئے۔

اس حدیث شریف سے ایک تو یہ پتا چلا کہ جب قرن اول میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ کے علم میں لاتے ہوئے اجتہاد کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کی مدح فرمائی اگر یہ اس قدر بری چیز ہوتی تو جس طرح بعض صحابہ کرام نے تورات کے کچھ مضامین کو پڑھا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا چہرۂ انور اسی بات کی وجہ سے متغیر ہو گیا کہ کیا ہمارے دین میں کسی قسم کی کمی ہے؟ آپ اس اجتہاد کو بھی منع فرما دیتے۔ بلکہ یہاں تو توفیق دینے کی دعا کی جارہی ہے اور توفیق کہتے ہیں **توجیہ الاسباب نحو المطلوب الخیر** ''مطلوب خیر کی طرف اسباب کو پھیرنا، سو اجتہاد مطلوب بھی ہے اور خیر بھی ہے۔''

دوسرا یہ بھی ثابت ہوا کہ صاحب الوحی کے ہوتے ہوئے اور منزل من اللہ وحی شدہ کلام کے آنے کے باوجود حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے صحابہ کرام ضرورتِ اجتہاد کے قائل تھے۔ پھر ہم کس لیے اس نعمتِ عظمیٰ کے منکر ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد ایک مہر کا مسئلہ آیا۔ آپ نے اس میں اجتہاد و قیاس سے مہر مثل کا حکم صادر فرماتے ہوئے **لا وکس فیھا و لا شطط** کے الفاظ ارشاد فرمائے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد کئی ایک امور میں صحابہ کرام اجتہاد فرماتے رہے اور مسائل کا حل فرماتے رہے۔ اسی بنیاد پر تابعین اور تبع تابعین چلے۔ قرآن وحدیث کے ضوابط واصول اور اجتہاد و قیاس کو شرعی قوانین پر رکھتے ہوئے مسائل شرعیہ بیان فرماتے انہی اصول و ضوابط سے تیار شدہ مسائل جدیدہ کو حل کرتے، جس میں اجتہاد کرنے والوں اور دیگر فقہاء کرام کے طبقات بنے اور اسی کو مقدمۃ الشامی میں اور شرح عقود رسم المفتی میں بیان کیا گیا ہے کہ طبقات فقہاء سات ہیں۔

۱۔مجتہد فی الشرع	۲۔مجتہد فی المذھب	۳۔مجتہد فی المسائل
۴۔اصحاب تخریج	۵۔اصحاب ترجیح	۶۔اصحاب تمیز
۷۔مقلد محض		

اسی طرح طبقات مسائل تین ہیں:

۱۔ظاہر الروایہ	۲۔نوادرات	۳۔نوازل

آپ اگر ان کی تفصیل کو ملاحظہ کریں گے تو آپ کو سمجھ آ جائے گی کہ معمول بہ فقہ یہ شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت کا حصہ ہے کیونکہ فقیہہ کے لیے اساس قرآن وحدیث ہے اس کے علاوہ نہ تو

آریہ مذھب کی کتب سے استفادہ ہوتا ہے نہ اس میں وید اور گرنتھ سے کچھ لیا جاتا ہے بلکہ خلاصۂ قرآن و حدیث کی تشریحات ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ایک مقام پر آیا:

تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض

''یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔''

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

لا نفرق بین احد من رسله

''ہم رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اب بہ ظاہر یہ ٹکراؤ ہے اور ان کے مفہوم کو اس طرح واضح کرنا کہ دونوں میں ٹکراؤ ختم ہو جائے اور دونوں کا مفہوم اپنے اپنے مقام میں سمجھ آ جائے یہ ''فقہ'' ہے، سو پہلی آیت کا مفہوم ہے درجات کے اعتبار سے ہماری بارگاہ میں فضیلت ہے کوئی صفی اللہ، کوئی کلیم اللہ اور کوئی حبیب اللہ ہے اور دوسری آیت کا یہ مفہوم ہے کہ وصف رسالت اور رسول ذیشان ہونے اور تبلیغ کرنے میں سب برابر ہیں۔

اسی طرح ایک روایت میں آیا سب سے پہلے ایمان حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لائیں۔

دوسری روایت میں آیا ہے سب سے پہلے ایمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے۔ تیسری روایت میں آیا سب سے پہلے ایمان حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے۔ چوتھی روایت میں آیا سب سے پہلے ایمان حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائے، پانچویں روایت میں آیا سب سے پہلے ایمان حضرت زید ابن حارثہ لائے، ان سب میں جو تطبیق دے کر جو مفہوم نکالے گا وہ فقہ اور تطبیق دینے والے کو ہم فقیہ کہیں گے۔ کتب سیرت اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان روایات مختلفہ میں سب سے پہلے تطبیق دینے والے سراج الفقہاء امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ ان میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں اور غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔'' (الزرقانی علی المواھب اللدنیہ ۱/ ۴۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، تاریخ الخلفاء ص: ۲۶ قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی)

علیٰ ھذا القیاس اس طرح مختلف مسائل میں تطبیق فقہ اور فقیہہ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام تو ارشاد فرماتے ہیں:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس دین میں فقہ (سمجھ بوجھ) عطا فرمادیتا ہے۔'' (بخاری شریف کتاب العلم ۱/۱۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور سورۂ توبہ میں ارشاد خداوندی ہے:

فلو لانفر من کل فرقہ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین (توبۃ: ۱۲۲)

''سو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں۔''

اور آپ معمول بہ فقہ' معمول بہ فقہ کی رٹ لگاتے جارہے ہیں۔

دین میں سمجھ بوجھ دین کی سمجھ بوجھ کے بعد عطا ہوتی ہے۔ ہمیں تو سورۂ فاتحہ میں انعام یافتہ (نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین) کے راستے کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر یہ جلیل القدر اور خیر القرون کی ہستیاں صالحین میں سے نہیں تو پھر بعد والوں میں کبھی ہو ہی نہیں سکتیں۔ ہم ڈاکٹر صاحب کے سوالات کے جوابات ضرور دیں گے لیکن ان کا طرزِ استدلال ضرور قابل بحث ونظر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ طلاق پر گفتگو کرنے کے لیے نکاح کے مسئلہ کو نفسیاتی پوائنٹ پر رکھ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے جوازِ سود کے متلاشی ایک غریب اور بوڑھے ریٹائر ماسٹر صاحب کی بچیوں کی شادی کی کہانی کا سہارا لے کر سود کا جواز فراہم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اگر عقل کا اصلاً اعتبار نہیں کرتے تو جس قدر ڈاکٹر صاحب نے گفتگو فرمائی ہے کیا یہ علم بالوحی اور آیات بینات کا ترجمہ فرمایا ہے؟ اگر اپنی اس وضاحت کو تشریح برائے علم بالوحی کہیں تو ضروری ہے کہ وہ یا تو حدیث سے ہو یا سب کے نزدیک مسلم امور سے ہو۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا انداز بیان اور طرزِ استدلال احادیث اور آثارِ صحابہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

سو معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی محض عقلی اختراع ہے اور کیسی عجیب بات ہے انکارِ عقل کی دلیل خود عقل سے پیش کی جارہی ہے خدا جانے کہ یہ عقل ہے یا.....؟، جس طرح منکرین حدیث ایک ضعیف حدیث سے ساری احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ البتہ ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بیک وقت تین طلاقوں کے انعقاد کو موضوعات اور من گھڑت روایات میں سے شمار کرتے ہیں جس کا واضح اور بدیہی مطلب ہے کہ ڈاکٹر صاحب تشریحاتِ محدثین

تسلیم کرتے ہیں ورنہ موضوع کہنے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔

ڈاکٹر صاحب انتہائی افسوس کی بات ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی مراد اور سسر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام آپ نے بڑی بے اعتنائی سے لیا ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ آپ بعض مخصوص نظریات کے مالک حضرات کے کسی عالم یا ذاکر کے ساتھ خاص شغف رکھتے ہیں جو آپ کے دل میں شکوک وشبہات کی تاریکیاں انڈیلتا رہتا ہے۔ جن کے عقائد میں بے ادبیاں ہوں فقاہت ان کی دشمن بن جاتی ہے۔

ہم ڈاکٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کس جدید نظام تعلیم کو مانتے ہیں تاکہ ہم دلائل اس لحاظ سے ان کو فراہم کریں۔ یہ قدیم نظام تعلیم اور جدید نظام تعلیم میں فضیلت کس کو ہے اصول ہے کہ علم اپنے معلوم کے اعتبار سے فضیلت والا ہوتا ہے کما فی المطوّل اب ایک طرف علم سے مشینری چلانے کا ڈھنگ آئے یا دیگر کاروبار چلانے کا سلیقہ آتا ہے اور دوسری طرف پہلی حیثیت قرآن وحدیث کی ہے پھر اس کے ضمن میں کوئی چاہے سینکڑوں علوم پڑھے کیا قدیم نظام تعلیم کہہ کر قرآنی علوم کی تنقیص تو مقصود نہیں؟ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کے سوالات کا جواب قرآن مجید کی صریح آیتوں کے ترجمہ میں ہے لمبی چوڑی تشریح بعد کی بات ہے جب قرآن وحدیث میں ماضی، حال، مستقبل کے حوالے سے علم ہے تو اسے صرف قدیم نظام تعلیم میں محبوس کر دینا انصاف کا خون ہے۔

یہ معاملہ بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ نکاح منعقد ہونے کے لیے شریعت کو خوب دیکھ کی اور جب یہی شریعت دستورِ طلاق بتائے تو منہ بسورا اور ماتھا بل کھانا شروع کر دے کیا یہ شریعت پسندی ہے یا خواہش پرستی، ایسے محضرات کا تقویٰ اللہ ان کی تحریر سے سامنے آجاتا ہے۔ جناب نے نکاح کے عنوان سے مختصر سی تحریر کا آغاز فرمایا تو تکرار الفاظ کے ساتھ ساتھ ''جنسی اختلاط، جنسی عمل، جنسی میلان، جنسی تسکین، جنسی تمتع، مباشرت سے رحم میں تخلیق حیات کا عمل، مانع حمل تکنیکات سے، جنین میں نطفے کا استقراء وغیر ذلک الفاظ نے ذہنی تقوی وطہارت کی کافی شہادت عنایت فرمائی۔ بقیہ جو کمی رہتی تھی صحابی رسول حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر آئمہ کرام ومحدثین وفقہاء عظام پر بے ادبی کی صورت میں آگئی۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں ''مرض قلب'' بڑا برا ہوتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو ''مرضِ قلب'' سے محفوظ فرمائے، ڈاکٹر صاحب آپ یقیناً آمین کہیں گے۔

ڈاکٹر صاحب آپ نے معمول بہ فقہ اور قدیم نظام تعلیم کے فارغ التحصیل کے الفاظ کو صرف سنا ہوا گر ان کی حقیقت سے آشنائی ہو جاتی تو آپ کا جگر پھٹ جاتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں پورے چودہ سال میں صحابہ کرام سے لے کر آج تک فقہاء کرام مجتہدین کرام تشریف لاتے رہے اور قرآن وحدیث

کے مختلف مفاہیم پر مبنی نظم قرآن کے موتیوں کی چمک بانٹتے رہے مختلف مفاہیم سے مختلف مذاہب و مسالک بنے اور یہ منشاء خداوندی سے ہٹ کر نہیں ہے لفظ "قـــروء" کو دیکھ لیجیے۔طہر وحیض کے مختلف معانی ومطالب سے مختلف مذاہب ومسالک بن گئے۔لیکن اگر دماغ کی سوئی یہیں اڑی ہو کہ صرف ایک ہی بات ہوتی تو یہ منشاء خداوندی پر اعتراض ہے۔ڈاکٹر صاحب سے ہم پوچھتے ہیں کہ قدیم نظام تعلیم سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فی الوقت تو مدارس عربیہ میں رائج نصاب کے مطابق قرآن وحدیث اور علوم عربیہ کی تشریحات کے لیے علوم وفنون پڑھائے جارہے ہیں۔کیا آپ کے خیال میں یہی قدیم ہے اور اسی کی قدامت کھٹک رہی ہے یا کچھ اور؟

اگر جدید نظام تعلیم سے مراد انگریزی وضع قطع اپنانا، یہود ونصاریٰ کو اپنا آئیڈیل بنانا میٹرک تک سولہ سال کے نوجوان کو اس بات کا شعور ہی نہ ہونا کہ مستقبل میں اس کا ٹارگٹ اور مشن کیا ہے اگر ہے تو وہ بھی ایک دھی سا، اپنے ٹیچروں کی مرمت کرنا سرِ راہ مسلمانوں کی بچیوں کو تنگ کرنا، جامعات وکالجز میں بے محابا نہ طلبہ وطالبات کا اکھٹے بیٹھ کر گپ شپ کرنا' حقے کی دکانوں کی زینت بننا' سر بازار ایک دوسرے کو گالیاں دینے میں فخر محسوس کرنا، ٹرانسپورٹ گاڑیوں کو درمیان سڑک آکر روکنا اور ان پر بدمعاشی کرتے ہوئے بغیر کرایہ کے سفر کرنا، مزاحمت پر گاڑیوں کے شیشہ توڑنا، ڈرائیور وکنڈیکٹر کو بے دردی سے مارنا، کالج ویونیورسٹی میں دھڑے بازی اور گروپ بندی کرنا وغیرہ وغیرہ ناقابل بیان امور۔ڈاکٹر صاحب اگر جدید نظام تعلیم یہ ہے تو ہم بارگاہِ خداوندی میں اس سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں اور ہمیں قرآن و حدیث کی تعلیم ہر حال میں جدید ہے وہ کافی ہے اگر چہ ایسے جدت پسند اسے برا ہی کیوں نہ سمجھیں۔

البتہ اگر آپ کی مراد جدید نظام تعلیم سے جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانا ہے تو اس میں کوئی بھی انکار کرتا ہوا نظر نہیں آئے گا۔کمپیوٹرائز تعلیم، انجینئرنگ وغیرہ امور کو ہم من حیث الفن جائز سمجھتے ہیں بلکہ ہمارے کئی ایک مدارس میں باقاعدہ ایسی تعلیم دی جارہی ہے اور اسکولز کالج سے بہتر ماحول میں قابل اساتذہ کی زیرنگرانی دی جارہی ہے جہاں سکول وکالجز کے کفریات آتے ہیں وہاں ٹیچرز نشاندہی کرتے ہیں، قرآنی آیات پر بے وضو ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔لیکن یہ کیسی زیادتی ہے کہ معاشرے میں ہر شعبہ کا سپیشلسٹ علیحدہ ہوتا ہے اور ''عالم دین'' کے بارے یہ سختی کہ اسے ہر چیز کا علم ہو بھائی ہر چیز کے بارے ضروری مسائل کے حوالہ سے عالم دین علم رکھتا ہے۔لیکن اس کی باریکیوں کا حکم دینا زیادتی ہے کہ ''عالم دین'' اپنے دینی شعبہ کا سپیشلسٹ ہوتا ہے۔ نہ کہ موچی پنے اور نائی وقصائی کے علم وآگہی کا امین.....

درس نظامی کے علم کو پڑھنے والے کے لیے گذشتہ تمام علوم کا یاد رکھنا ضروری ہوتا ہے جبکہ

سکول و کالج میں مقصد ڈگری ہوتا ہے اور ایک سال کا سلیبس پڑھ کر چھوڑ دیا آئندہ سال میں اس کا یاد رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ ایک تاریخ کا مطالعہ کریں، ارسطو، بقراط، سقراط، فیثا غورث، افلاطون، ابونصر فارابی اور یعقوب کندی وغیرہ ایسے فلاسفر جن کی آج بھی لکھی گئی کتب فنون پڑھی پڑھائی جا رہی ہیں خواہ مدرسہ ہو یا سکول پھر مدارس میں امام غزالی شیخ سعدی شیرازی، علامہ جلال الدین رومی علیہم الرحمہ ایسی شخصیت کی تعلیمات کو پڑھایا جا رہا ہے۔

جو بھی جدید مسئلہ شرعی پیدا ہوتا ہے علماء کرام اس بارے اپنے علمی جواہر پارے میدان میں لاتے ہیں پھر تحقیق و تدقیق کے بعد ایک نکتہ پر بات آ ٹھہرتی ہے اور کبھی تحقیق کی موجوں میں برسوں گردش کرتی رہتی ہے۔ یعنی قرآن مجید کی تعلیم ہر آن جدید ہے اور اسکولز و کالج کی تعلیم کا کچھ حصہ الگ کر کے بقیہ وہی دقیانوسی نصاب ہے جو انگریز نے ایک سو سال سے زائد دی کر کے پھینک دیا ہے۔

یہ تو علماء کرام اور فقہاء عظام کی وسعت ظرفی ہے کہ اس قدر محنت و مشقت کے باوجود محنت کیے جا رہے ہیں۔ تنخواہ کم ملنے پر ہسپتالوں کو بند کر کے سڑکوں پر ڈاکٹروں کی طرح احتجاج کرنے نہیں بیٹھ جاتے کیونکہ حقیقتاً جدید تعلیم کا طالب علم کبھی فارغ ہوتا ہی نہیں۔

ڈاکٹر صاحب بعض ذہن کفر کی سازش سے تیار ہوتے ہیں کہ کسی طرح مدارس عربیہ بند ہو جائیں تاکہ جو قرآن و حدیث کی ہلکی پھلکی اسلامی ممالک میں شمع روشن ہے یہ چراغ بجھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو حکومت کے ماتحت اسکولز اور کالجز چلتے مل جائیں گے لیکن مدارس حکومت کے ماتحت چلتے نظر نہیں آئیں گے، اگر مساجد مختلف مکاتب فکر کا لحاظ کرتے ہوئے اوقاف گورنمنٹ کے تحت آ سکتے ہیں تو مدارس کیوں نہیں آ سکتے؟ امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہماری بات کو مثبت پیراؤں میں رکھ کر ضرور غور و فکر کریں گے۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے چند سوالات کے جوابات کی طرف آتے ہیں اگرچہ آغاز بیان میں ہم نے نکاح، طلاق اور حلالہ کے مسئلہ کے تحت ان مسائل کو صراحۃً بیان کر دیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کے دل کی خاطر ہم سوالات کا جواب فراہم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا سوال تھا کہ ''قدیم نظام تعلیم سے فارغ التحصیل تمام فقہی مسالک و مشارب سے تعلق رکھنے والے نام نہاد علماء کرام خوب واقف ہیں کہ طلاق ''رفع القید'' ہے عقد نکاح ختم کرتی ہے بایں ہمہ دوسری طلاق کے منعقد ہونے سے قبل نکاح کی بحالی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ذرا آگے لکھا ہے حیرت ہے کہ طلاق سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اور یہ کام ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے تو پھر دوسری طلاق آخر کس پر وارد ہو گی؟

ڈاکٹر صاحب نکاح کا ہونا دینی فضائل سے ہے اور آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ ''انسانی فطرت کی نسبت انسان کا ذاتی ادراک اور علم بالوحی ایک درجے اور مرتبے پر کیونکر آسکتے ہیں؟''

تو جس دین نے نکاح منعقد کرنے کا دستور بتایا ہے نظامِ طلاق بھی اسی دین نے فراہم کیا ہے۔ پھر طلاق رفع القید ہے یہ معنی چونکہ معمول بہ فقہ کے نام نہاد علماء نے بیان کیا ہے آپ کو چاہیے کہ یہ تو آپ کے نزدیک مسلم شخصیت نہیں ہیں بات تو پھر وہیں رہے گی آپ کے نزدیک جو مسلم حضرات ہیں آپ ان سے طلاق کا معنی نقل فرمائیں تا کہ ہمیں بھی اس بات کی تسلی ہوتی کہ اب کالجز و یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم بھی رواج پکڑ رہی ہے۔ یہ طلاق کا لغوی معنی ہے جیسا کہ لسان العرب (حرف القاف مع الطاء، ۱۰/ ۲۲۹ دارالفکر بیروت) میں ہے اور اس کا شرعی معنی ہے، رفع قید النکاح ''نکاح کی قید کا اٹھنا ہے۔'' (عمدۃ القاری شرح البخاری، کتاب الطلاق ۱۴/ ۲۲۵ دارالفکر بیروت)

اور اسی بات کو قرآن مجید میں بیان فرمایا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡتَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ (البقرہ: ۲۲۹)

''دو مرتبہ طلاق کے بعد یا تو اچھے طریقے سے روکنا ہے یا اچھے طریقے سے چھوڑنا ہے۔''

اور سورۂ طلاق (آیت ۱، و ۲) میں ہے:

اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحۡصُوا الۡعِدَّةَ...... الخ اس سے آگے فرمایا

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ......الخ

''اے لوگو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے وقت میں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو۔'' ''پھر جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا اچھے طریقے سے انہیں الگ کر دو۔''

ان آیات میں تو واضح طور پر حکم آ گیا کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد اسی طرح دو مرتبہ طلاق کے بعد امساک یعنی روکنے کا حکم ہے یا احسن طریقے سے چھوڑنے کا دو چیزوں میں قرآن کریم میں اختیار دیا ہے یا تو انہیں روک لو یا انہیں چھوڑ دو یہ تو نہیں ہو سکتا کہ دونوں سے مراد ایک ہی ہو کیونکہ روکنا اور چھوڑنا نقیضیں ہیں اور اجتماع نقیضین باطل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا جب تک عدت چل رہی ہے طلاقِ رجعی میں خاوند بدستور خاوند ہے اسے رجوع کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ بُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (البقرہ: ۲۲۸)

''ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں۔''

قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ عورت جب تک عدت میں ان کے خاوند بدستور

خاوند ہیں۔قرآن کریم کے اس صریح مفہوم کو ہی ہمارے فقہاء کرام نے اپنی کتب میں بیان فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب آپ نے جو فرمایا تھا کہ علم بالوحی کے مقابلہ میں انسان کے ذاتی ادراک کو کوئی حیثیت حاصل نہیں یہ جملہ لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے تھا یا اس کی کوئی حقیقت بھی ہے ورنہ ہم نے تو قرآن مجید کی آیات اس مفہوم پر پیش کر دی ہے۔

ہمارا ڈاکٹر صاحب سے سوال ہے کہ اگر طلاق ''رفع القید'' کا نام ہے تو طلاق کے ہونے سے فوراً یہ قید اٹھ جانی چاہیے حالانکہ اس بات کے آپ بھی قائل ہیں کہ اس عورت کے لیے عدت گزارنی ضروری ہے۔اب یا تو رفع القید نہیں یا عدت کا تصور غلط ہے؟ عدت کے بارے تو صریح نص قرآنی ہمارے سامنے ہے۔

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: ۲۲۸)

''اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء (حیض) روکے رکھیں۔''

وقوع طلاق کے بعد جب عدت گزارنے کا ثبوت شریعت سے فراہم ہوگیا تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ طلاق کے معاملات نکاح سے قدرے فرق رکھتے ہیں اور آپ کے موجبہ کلیہ کے مفروضہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ثابت ہوگئی اور عام مفروضے میں تخصیص آگئی جو دلیل ظنی سے تخصیص کا تقاضا کرنے والی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو مغالطے کی وجہ یہ بنی کہ انہوں نے سوچا نکاح میں گرہ تو ایک ہی بار میں باندھ دی جاتی ہے اور طلاق میں اس گرہ کو کھولنا ہوتا ہے لہٰذا اس میں بھی ایک بار کا عمل کافی ہو لیکن ڈاکٹر صاحب باندھنے کھولنے میں اور توڑنے میں فرق ملحوظ خاطر نہیں رکھ سکے۔

شریعت کے اندر کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جو یکبارگی ادا ہوتے ہیں لیکن ٹوٹتے وقت تعداد و تجزی کے مقتضی ہوتے ہیں مثلاً ایک ایکڑ رقبہ کو دفعۃ واحدۃ خریدا لیکن اس کو بیچتے وقت تھوڑا تھوڑا اور تقسیم کر کے اگر یہاں خضر صاحب والا قیاس جاری کر کے کہیں کہ چونکہ خریدنے میں ایک ہی بار تھا تو بیچنے میں بھی تجزی و تقسیم نہ ہو بلکہ یک بارگی معاملہ ہو تو یہ درست نہ ہوگا۔

اسی طرح کچھ امور تعدد و تجزی سے حاصل ہوتے ہیں جیسے وضو سے طہارت منہ، بازو اور سر کے دھونے اور مسح سر سے حاصل ہوتی ہے <u>لیکن اگر خضر یٰسین صاحب کے قیاس پر چلیں تو طہارت وضو کے ٹوٹنے کے لیے تھوڑا پیشاب نکلے تو بازو کی طہارت زائل ہونی چاہیے اگر اس سے زیادہ نکلے تو منہ اور باؤں کی طہارت زائل ہونی چاہیے اگر اس سے بھی زیادہ نجاست نکلے تو مکمل وضو کے ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے۔</u>

بیشک طہارت کا آنا تجزی و تقسیم سے تھا لیکن اس کا زائل ہونا تجزی و تقسیم کا تقاضا نہیں کرتا۔

البتہ اگر ڈاکٹر خضر صاحب اپنے قیاس کے مطابق یہاں بھی ڈٹ جائیں تو میرا خیال ہے سہولت پسند افراد کو سردیوں میں ڈاکٹر خضر صاحب کی طرف سے فرحت وخوشی کا بہترین نسخہ ملے گا۔

اگر اسے عقلاً ونقلاً باطل کہیں گے تو ہم بھی یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ نکاح سے وثاق القید ہوتی ہے اور طلاق سے رفع القید لیکن اس قید کا اٹھنا شریعت کے بنائے ہوئے قواعد واصول پر ہوگا، حرمت غلیظہ تین طلاقوں سے ہوتی ہے جس سے رفع القید ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب اسی مغالطہ میں پڑے ہوئیں کہ فقہاء کرام تین طلاقوں کو درحقیقت طلاق سمجھتے ہیں تو یہ ڈاکٹر صاحب کی سنگین غلطی ہے ہم نے گذشتہ احادیث اور آیات بینات سے واضح کر دیا کہ ہم ایک طلاق کو درحقیقت طلاق سمجھتے ہیں اگر اسے ہم طلاق نہیں سمجھتے تو ایک طلاق کے بعد عدت گزرتے ہی طلاق بائن واقع کیوں ہوتی ہے؟ اور دوبارہ نکاح کیوں کرنا پڑتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب فقہاء کرام کی تصریحات سے یا تو ناواقف ہیں یا صرف نظر فرماتے ہیں ورنہ ایسے بے تکے اعتراضات کا کوئی مفہوم نہیں بنتا بھئی جو قرآن وحدیث نے کہا آپ نے دیکھا وہی فقہاء کرام کا ارشاد ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارے جدید علوم کی وجہ سے جدید تحقیق ایسی ہے کہ چودہ سو برسوں میں ایسی تحقیق نہ ہوئی یقیناً ڈاکٹر صاحب اپنی اس تحقیق پر ہماری داد کو پڑھ کر خوش ہوں گے۔

ڈاکٹر صاحب یہ سمجھ نہیں آتی کہ آپ اس قانون کو تسلیم کرتے ہیں کہ علم بالوحی برحق ہے اور آپ اسے معاملات میں عقل کو اس کے مقابلہ صفر سمجھتے ہیں لیکن جب آپ اس تھیوری کو پریکٹیکل کا جامہ پہناتے ہیں تو سورج پلٹا الٹے پاؤں، عقل کے ذریعے علم بالوحی کو رد کرتے ہیں۔

تیرے قول وفعل میں ہے بعد المشرقین　　گو زبان و قلب میں اتنا فاصلہ نہیں

یا تو ڈاکٹریٹ میں ایسا ہی پریکٹیکل ہوتا ہے یا سامانِ شہرت بذریعہ تنقیص فقہ وفقہاء پیش نظر ہے لیکن افسوس ہے دونوں صورتوں میں ایسے بندہ کا شریعت کو عمل میں لانا درست نہیں۔ اور ہم نے سنا ہے کہ آپ مدارس میں بھی کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے ہیں کاش انہی مدارس کے مہتم بالشان علماء سے مضمون نگاری سے قبل مسئلہ کے سلسلہ میں رہنمائی لے لی ہوتی۔

شریعت میں طلاق رجعی کا تصور بھی ہے اور طلاق بائنہ کا تصور بھی ہے۔ طلاق بائنہ کبھی کنایہ سے ہوتی ہے اور کبھی صریح سے طلاق مغلظہ تین سے ہوتی ہے۔ تین طلاقوں کے حوالہ سے بھی گفتگو گزر گئی اور طلاق رجعی کے حوالہ سے بھی قرآنی آیات سے صراحۃً حکم آگئے کہ دوران عدت طلاق رجعی میں بندہ رجوع کرسکتا ہے دوبارہ نکاح کرنے کا کسی بھی آیت میں ذکر نہیں ہے یہ صرف آپ کی ذہنی وعقلی اختراع ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

طلاق کنایہ سے بائن ہونے کے حوالے سے بخاری شریف میں امام بخاری باب اذا قال فارقتک اوسر حتک اوالخلیة اوالبریة اوماعنی به الطلاق فهوعلی نیته کے تحت محدث احمد علی سہارنپوری علیہ الرحمہ هذه الکلمات کنایات عن الطلاق خال نوی الطلاق بها وقع والا فلاکرمانی.

یعنی ترجمۃ الباب کے یہ کلمات طلاق سے کنایہ ہیں اگر اس کے ساتھ طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوجائے ورنہ نہیں۔ (بخاری شریف کتاب الطلاق ۷۹۲/۲ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور طلائق بائن کے حوالہ سے حدیث رکانہ جسے محدثین نے طلاق البتہ سے بیان فرمایا چونکہ طلاق لفظ طلاق سے واقع ہوجاتی ہے اس میں شدت کے وصف کو بڑھانا طلاق بائن کا مقتضی ہے۔

حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

ان طلقت امرأتی البته......الخ

''یعنی میں نے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے۔''
(آپ کی نیت دریافت کی گئی تو آپ نے قسم ذکر کی کہ میں نے ایک کی نیت کی ہے۔)۔

(ترمذی، ابواب الطلاق واللعان باب ماجاء فی الرجل طلق امرأتہ البتۃ، ۲۲۲/۱ مکتبہ علوم اسلامیہ بلوچستان)

اسی طرح بدائع الصنائع (۱۷۳/۳ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ) میں ہے:

اسی طرح جامع الصغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

قوله ولو قال: انت طالق بائن او البتة، فهي طالق واحدة بائنة ان لم یکن له نية وان قال رجل لا مرأته: انت طالق أشد الطلاق أو انت طالق کالف أو ملا البيت فهي واحدة بائنة الا ان ينوى ثلاثا وان قال: أنت طالق تطليقة شديدة او عريضة او طويله فهي واحدةبائنة (جامع الصغير ص ۱۹۸، ادارة القران والعلوم الاسلاميه کراچی)

ڈاکٹر صاحب کا یہ بھی مغالطہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد طلاق دی جاتی ہے۔

اصل ضابطہ یہ ہے کہ جب عورت پر طلاق کا محل باقی رہے گا طلاق واقع ہوجائے گی اگر محل باقی نہ رہے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ مثلاً غیر مدخلو بہا کو ایک طلاق دی تو وہ اسی ایک صریح طلاق سے بائنہ ہوجائے گی۔

ڈاکٹر صاحب شریعت کے معاملے ہماری سمجھ میں نہ آئیں تو وہ ہماری عقل کا قصور ہے

شریعت کا نقص نہیں ہے۔شریعت مقاربت کے بعد گھر بسانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے تین طلاقوں کا فلسفہ بھی اسی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے لیکن آپ اس حقیقت کے مقابلہ میں اپنا مفروضہ پیش کرنا چاہتے یہ جو کسی طرح سے بھی تسلیم نہیں ہوسکتا۔ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق اسی طرح تیسری طلاق ہوتی ہی تب ہے جب محل موجود ہو اور الطلاق مرتن کی آیہ کریمہ میں اس کا حکم بیان ہوا۔

ڈاکٹر خضر صاحب کا ایک اعتراض طلاق کے حوالہ سے یہ بھی ہے کہ ''عمر کی طرف منسوب موضوعات میں سے ایک بیک وقت تین طلاق کا انعقاد ہے جو نہ صرف منزل من اللہ احکام کے صراحۃ خلاف ہے عقلاً بھی محال ہے حیران کن یہ ہے کہ عمر سے یہ بھی منقول ہے کہ انہیں اپنے جن فیصلوں پر بعد کو پچھتاوا رہا ان میں ایک بیک وقت تین طلاق کا انعقاد کا فیصلہ شامل ہے۔''

ڈاکٹر خضر پر انتہائی افسوس ہے کہ یہ روایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اگر نقل ہو رہیے تو حضرت عمر فاروق کوئی آپ کے چچا کے بیٹے تو ہیں نہیں کہ کم از کم حضرت د رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے کلمات محبت وادب کے ساتھ استعمال کئے ہوتے تا کہ بدمذہب کی صحبت کا اثر قلم سے ظاہر نہ ہوتا۔ڈاکٹر صاحب کو یہ علم نہیں کہ جسے آپ صحیح کہہ رہے ہیں یہ خود باطل ومردود ہے اور جسے موضوع کہا جا رہا ہے وہ درست ہے۔ڈاکٹر صاحب کو چاہیے تھا کہ اپنی بات پر کسی مستند محدث کا حوالہ ذکر کرتے تا کہ معاملہ کی حقانیت کو پرکھ لیا جاتا۔

محدث جلیل امام یحییٰ ابن شرف نووی علیہ الرحمہ اس بارے فرماتے ہیں کہ یہ روایت جس میں آیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آغاز دو سال میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگ طلاق کے معاملہ میں جلدی کرتے ہیں۔

آپ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فا لا صح معناه انه كان فى اول الامر اذا قال لها انت طالق انت طالق انت طالق ولم ينو تاكيدا ولا استيناقاً يحكم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستيناف بذلك فحمل على الغالب الذى هو ارادة التاكيد فلما كان فى زمن عمر رضى الله تعالىٰ عنه وكثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستيناف بها حملت عند الاطلاق على الثلاث عملاً بالغالب السابق الى الفهم منها وفى ذلك العصر

''زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس حدیث کا معنی ہے کہ آغاز میں جب مرد اپنی بیوی کو انت طالق انت طالق انت طالق کہتا اور تاکید واستیناف کی نیت نہ کرتا تو ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگا دیا جاتا کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں کا اس طلاق سے استیناف مراد لینا بہت کم تھا سو اس تعداد کو اس غالب معاملہ پر محمول

کر دیا گیا جو تاکید کی مراد ہوتی ہے۔ پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا اور اس صیغہ اور الفاظ کو لوگ کثرت سے استعمال کرنا شروع ہو گئے اور اس وقت کے لوگوں میں ان الفاظ سے استیناف مراد لینا غالب ہو گیا تو طلاق کو استیناف کا لحاظ کرتے ہوئے تین پر واقع کر دیا۔ اس غالب پر عمل کرتے ہوئے جو اس صیغہ سے متبادر الی الفہم ہے اور اس زمانہ میں معروف ہے۔'' (النووی شرح صحیح مسلم کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلاث ۱/۴۷۸ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے قرآن وحدیث سے طلاق وحلالہ کے مسئلہ کو واضح کر دیا کہ طلاق کا محل ہو تو دوسری طلاق واقع ہو سکتی اور حلالہ کے لیے تین طلاقوں کے وقوع کے بعد پہلے خاوند کے لیے جائز کہنا ہمارے مذہب وتحقیق سے لاعلمی ہے۔ ہم حلالہ میں اولاً دوسرے خاوند کے لیے طلاق دینے کی شرط ہی نہیں رکھتے اگر وہ دوسرا خاوند طلاق دے تو وہ اسی دستور پر طلاق ہوگی جو شریعت نے پہلے خاوند کے لیے متعین کیا ہے۔ اب ہم فیصلہ قارئین ''فقہ اسلامی'' پر چھوڑتے ہیں کہ کیا ہمارا موقف قرآن مجید کی صریح آیات کے ترجموں اور احادیث طیبات کے واضح مفہوم سے واشگاف ہوتا ہے یا نہیں؟

اور ہمارے اکابر سلف صالحین نے جو قرآن وحدیث سے سمجھا اسی کو اصول وضوابط کے ساتھ بیان فرمایا اور اسی کا نام فقہ رکھا قیاس واستحسان کا ثبوت خود احادیث مبارکہ اور آیات بینات سے ہے اور مسئلہ طلاق وحلالہ وغیرہ میں ہم انہی سلف صالحین کی تحقیق کو پیش کرنے والے ہیں جو واضح طور پر قرآن و حدیث کی صریح نصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے صدقے علم کے ساتھ ساتھ دین بھی عطا فرمائے تاکہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو۔

از خدا جوئیم توفیق ادب　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

ادارہ کی طرف سے تو ڈاکٹر خضر یٰسین صاحب کا رابطہ نمبر بھی لکھ دیا گیا ہے لیکن میری ادارہ سے گزارش ہے کہ یہ تو اصلاحی جحتیں ہیں ہم نے تحریر کر کے پوری کر دیں اور آپ نے رابطہ نمبر لکھ کر فرمادیں ہماری درخواست ہے کہ ڈاکٹر خضر یٰسین صاحب کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ آپ ضلع شیخوپورہ کی عظیم علمی درسگاہ جامعہ مرتضائیہ قلعہ شریف تشریف لے آئیں تاکہ بالمشافہ گفتگو ہو جائے اور احقاقِ حق ہونے کے ساتھ ساتھ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جا سکے..... بیشک ہدایت اسی بارگاہ سے میسر آتی ہے، واللہ اعلم بالصواب

فقط ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ
جامعہ مرتضائیہ قلعہ شریف